شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی : حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسندنشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِاعلیٰ : حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مارچ 2021ء/رجب المرجب، شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ • جلد نمبر 13، شمارہ نمبر 3 • قیمت : 20 روپے • سالانہ ممبرشپ : 200 روپے • تین سالہ ممبرشپ : 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست : ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر : مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر : محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- انعاماتِ الٰہیہ اور غلطیوں کی معافی؛ تربیت کا درست طریقہ
- معاہدۂ حِلفُ الفُضول کی اہمیت
- حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا
- پاکستان میں غلبۂ دین کے عصری تقاضے
- فطری ترقی کے حِجابات کو دور کرنے کا طریقہ (2)
- طارق بن زیاد؛ فاتح اَندلُس (2)
- اور آئی ایم ایف پھر مان گیا
- ایشیائی بالادستی کے تقاضے [میانمار میں 2021ء کا فوجی انقلاب]
- انسانی معاشرے میں معاہدات کی اہمیت
- معاہدات کی روح؛ اختلافات اور جھگڑے نمٹانا ہے
- معاہدات توڑنے کا سامراجی کردار
- انسانی بنیادوں پر معاہدات کا تجزیہ ضروری ہے
- حضرت مولانا ابوحامد محمد میاں منصور انصاریؒ
- سونے کی چڑیا اور مغل حکمران
- تقریبِ تکمیل صحیح بخاری شریف
- نئی جگہ پر ''رحیمیہ بُک شاپ'' کا افتتاح
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مولانا منظور صاحب (نعمانی، مدیر ''الفرقان''، لکھنؤ) نے سوال کیا کہ خدا کی محبت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''(اللہ کے) ذکر اور صحبت سے''۔

نیز فرمایا کہ: ''بعض کی طبیعت قدرتی (طور پر محبتِ الٰہی کی طرف مائل) ہوتی ہے۔ وہ بھی ذکر کرتے ہیں، مگر جلد ادھر (حبِ الٰہی) کو پہنچتے ہیں، لیکن دوسروں کو بھی ذکر اور صحبت سے حسبِ استعداد، محبت نصیب ہو جاتی ہے''۔

نیز فرمایا کہ ''حضور ﷺ کا یہ اثر تھا کہ صحابہؓ کو (آپ ﷺ کی) صحبت سے اوّل وہلہ (مرتبہ) میں ہی (اللہ سے) محبت ہو جاتی تھی۔ پھر نیک اعمال سے چلنا ہی چلنا ہوتا تھا'' (روحانی ترقی حاصل ہوتی چلی جاتی تھی)۔

(۲۱ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ/ 18 جولائی 1949ء، بروز: سوموار۔ مقام: رائے پور)
(ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 400، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** **الائیڈ بینک** مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

انعاماتِ الٰہیہ اور غلطیوں کی معافی؛ تربیت کا درست طریقہ

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ (البقرہ:50)

(اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمھاری وجہ سے دریا کو، پھر بچا دیا ہم نے تم کو اور ڈُبا دیا فرعون کے لوگوں کو۔ اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا، پھر تم نے بنالیا بچھڑا موسیٰ کے بعد، اور تم ظالم تھے۔ پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی، تاکہ تم احسان مانو۔)

گزشتہ آیت میں بنی اسرائیل پر ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ تھا کہ انھیں فرعون کی ذلت آمیز غلامی سے نجات دلا کر آزادی اور حریت کی نعمت عطا کی گئی۔ آزادی کے بعد کسی قوم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ دی گئی تعلیم و تربیت کے مطابق شخصی تہذیب اور ملکی نظام قائم کرے، لیکن بنی اسرائیل نے اس سلسلے میں غلطیاں اور کوتاہیاں کیں۔ ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جو تعلیم و تربیت دی تھی، اس سے متعلق انعاماتِ الٰہیہ اور اُن کی کوتاہیوں اور معافی کو یاد کرایا جا رہا ہے۔

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ: بنی اسرائیل کو ایک بڑی نعمت یاد دلائی گئی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمھارے آبا وٴ اجداد کو لے کر فرعون کی غلامی سے بچایا۔ وہ تمھیں مصر سے لے کر فلسطین کی طرف آ رہے تھے، ان کے سامنے دریا تھا اور ان کا پیچھا کرتے ہوئے فرعون کا لشکر تھا۔ ایسی مشکل صورتِ حال میں ہم نے تمھیں نجات دلائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دریا کے دو ٹکڑے کر دیے۔ دریا میں خشک راستہ بن گیا اور تم لوگ بڑی آسانی سے دریا پار کر گئے۔ جب کہ فرعون اور اس کا لشکر دریا کے بیچ میں پہنچا تو اس کے دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ اس طرح فرعون اور اس کے پورے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے غرق کر دیا۔

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ: تم اپنی آنکھوں سے اُس کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ جب تم پر ظلم کرنے والا طبقہ اور خدائی کا دعوے دار فرعون دریا میں غرق ہو رہا تھا۔ یقیناً وہ منظر تمھیں نہیں بھولا ہوگا۔ اپنے دشمن کو اپنی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے دیکھنا بھی ایک طرح کا انعام ہے۔ اس سے تمھیں یقین آ گیا کہ اب کوئی ہم پر ظلم کرنے والا نہیں رہا۔ اس طرح تمھیں تمام تکلیفیں اور مشقتیں بھول گئیں اور ایک نئی زندگی شروع کرنے کا موقع ملا۔

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً: ایک اَور اہم نعمت بنی اسرائیل کو یاد دلائی گئی کہ جب اُن کی دُنیوی اور اُخروی ترقی کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ پر بلایا، تاکہ انھیں تورات ایسی عظیم کتاب عطا کی جائے، جس کے ذریعے سے دنیا میں بنی اسرائیل کو حکومت اور مملکت حاصل ہو، انھیں زمین کا وارث بنایا جائے، انھیں انسانیت کے لیے مفید تہذیب یافتہ قوم بنایا جائے، یہ بڑا انعام ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ: اس موقع پر تم نے بڑی غلطی کی کہ تم نے سامری کے بھرّے (فریب) میں آ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی، اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اُس ربّ تبارک و تعالیٰ سے روگردانی کی، جس نے تمھیں فرعون سے نجات دی تھی اور تمھارے دشمن کو تمھاری آنکھوں کے سامنے دریا میں غرق کیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی طور پہاڑ سے واپسی کا انتظار بھی نہیں کیا۔ ان کی دی گئی تعلیم کا پورا فہم و شعور حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کرنے کے بجائے بچھڑے کو پوجنے لگے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: اتنی بڑی غلطی کرنے کے باوجود بھی اللہ پاک نے تمھیں معاف کر دیا۔ غلطیوں کی معافی تعلیم و تربیت کا ایک صحیح طریقہ ہے۔ انسان کو تعلیم دینے کا درست طریقہ یہ ہے کہ اُسے کام سمجھا کر کام پر لگا دیا جائے۔ اس کام کے سرانجام دینے میں اس سے عموماً دو قسم کی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں: ایک یہ کہ بسا اوقات وہ پہلی مرتبہ اپنے کام کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس سے کام کو پورے طور پر سمجھنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور وہ اُسے کر نہیں پاتا۔ دوسرے یہ کہ کام کی جو حدود مقرر کی گئی ہیں، ان کا خیال نہ رکھا جائے اور حد سے زیادہ آگے بڑھ جائے۔

بنی اسرائیل کو آزادی اور حریت کے بعد ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے اور اس کی طرف سے آنے والی تعلیمات کی اساس پر حکومت قائم کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر اس لیے گئے تھے کہ اُن کے لیے ایک بہتر حکومت قائم کرنے کا نظامِ فکر و عمل کتابِ مقدس کی صورت میں لے کر آئیں۔ بنی اسرائیل نے اس کا انتظار نہیں کیا اور توحید کے نظریے کو سمجھنے میں بڑی غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو نبھانے میں ناکام رہے۔ انھوں نے اپنے اوپر لدے ہوئے زیورات کے بوجھ کو اُتار کر پھینکا۔ اس بوجھ کو اٹھا کر سامری نے اُن کے لیے بچھڑا بنا دیا۔ اور کہا کہ "یہ تمھارا اور موسیٰ کا الٰہ ہے"۔ (طٰہٰ:88) اس سے توحید کی اَساس پر زندگی بسر کرنے کی نااہلیت آشکارا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پہلی غلطی کو معاف کر دیا، تاکہ انھیں اپنی غلطیوں سے سیکھنے کا موقع ملے اور دی گئی تعلیم کے مطابق کام کی اہلیت پیدا ہو جائے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ: کسی کام کو دی گئی تعلیم و تربیت کے مطابق پورے طور پر سرانجام دینا "شکر" کہلاتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کام کرنے میں ابتدائی غلطیاں ہو جائیں تو انھیں معاف کر کے آگے بڑھا جائے۔ انسان غلطیوں سے سیکھتا ہے۔ اگر ہر غلطی پر گرفت کی جائے، سخت سزا دی جائے تو سیکھنے کا عمل متأثر ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام قوموں کو آزادی اور حریت دِلا کر دنیا اور آخرت کی کامیابی کا نظام سکھانے کے لیے آتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی لغزشوں کو نظرانداز کر کے آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا جائے، تاکہ وہ اس تعلیم کی قدر کریں۔ اللہ کا شکر ادا کریں۔ غلطی کو معاف کر کے اپنے آپ کو درست کرنے کا موقع فراہم کرنا بھی دیگر انعامات کے ساتھ ایک بہت بڑا اِنعام ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

معاہدۂ حِلفُ الفُضول کی اہمیت

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بنِ عَوْفٍ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: ’’شَھِدْتُ غُلَاماً مَعَ عُمُومَتِی حِلْفَ الْمُطَیَّبِینَ فَمَا اُحِبُّ أَنَّ لِی حُمْرَ النَّعَمِ وَ انّی أَنْکُثُہٗ‘‘.

(حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میں اپنے چچاؤں کے ساتھ ’’جب کہ ابھی میں نوعمر تھا‘‘ حِلف المطیّبین (حلف الفضول) میں شریک ہوا تھا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس معاہدے کو توڑ ڈالوں۔ اگرچہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی دیے جائیں‘‘۔) (مسند احمد: 1676)

زیرنظر ارشادِ مبارک رسول اللہ ﷺ معاہدۂ حلف الفُضول کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ یہ معاہدہ رسول اکرمؐ کی عمر مبارک کے بیسویں سال 590ء (ماہ ذی قعدہ) میں طے ہوا۔ یہ معاہدہ حربِ فجار کے بعد قریش اور بنوقیس کے درمیان ہوا، جو عرب معاشرے میں انسانی حقوق، امن وامان اور معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام کے لیے تاریخ انسانیت کی اہم دستاویز ہے۔ یہ معاہدہ دینِ اسلام کی جامع سوچ سے ہم آہنگ ہے۔ ایک اَور موقع پر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ اگر آج بھی اس جیسے معاہدے کی طرف مجھے بلایا جائے، مَیں اسے فوراً قبول کرلوں گا (البیہقی، حدیث:13080)۔ اس معاہدے کی شرائط میں عربوں نے یہ طے کیا کہ:

1۔ ہم مظلوموں کا ساتھ اس وقت تک نبھاتے رہیں گے، جب تک ان کو ان کا حق نہ دلا دیا جائے، خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھنے والے ہوں۔

2۔ ملک میں امن وامان قائم کریں گے۔

3۔ مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی مدد کریں گے۔

4۔ کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہ رہنے دیں گے۔

یہ شرائط مقاصدِ نبوت کی عکاس ہیں اور ایک مستحکم معاشرے کے قیام کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ اسی اہمیت کی بنا پر نبی اکرم ﷺ اس معاہدے کو اپنی زندگی کا اہم ترین واقعہ قرار دیتے ہیں اور اپنے عہدِ مبارک میں اس جیسے معاہدے کی تشکیل پانے کو پسند فرماتے ہیں۔ دینِ اسلام جس معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے، اس کے یہی اصول ہیں۔ دینِ اسلام کی یہ حقیقی تصویر ہے۔ آج دینِ اسلام کا ایسا تعارف گہنا گیا ہے۔ مسلمان عملی طور پر ان اُمور سے متعلق اپنی ذمہ داری کو بھول چکے ہیں۔ مسلمانوں کی اس غفلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دین دشمن اور ظلم پسند لوگ یہ باور کراتے ہیں کہ دینِ اسلام کی تعلیمات عدل وانصاف اور امن وآشتی پر مبنی معاشرے کے قیام کے بجائے انارکزم کا سبب ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس عہدِ نبویؐ، دورِ خلفائے راشدینؓ اور پوری تاریخِ اسلام ان ہی خطوط پر نظمِ مملکت کے قیام پر شاہدِ عدل ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ غلبۂ دین کے لیے ان خطوط پر مبنی علمی وعملی کوششوں کو بروئے کار لایا جائے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں، جو ۳۳ھ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔ حضورِ اکرمؐ کے زیرِسایہ آپؓ کی تربیت اکسیرِاعظم تھی، جو کمالاتِ حیات کا موجب بنی۔ پہلے آپؓ کا نکاح ابولہب کے بیٹے (عتبہ) سے ہوا، لیکن رُخصتی نہ ہوئی۔ یہ قبل از نبوت کا واقعہ ہے۔ جب حضورؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوتِ اسلام کا اظہار فرمایا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علاحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمھارے ساتھ میرا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے تو عتبہ نے حضرت رُقیہؓ کو طلاق دے دی۔ محض نبی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے حضرت رُقیہؓ کو اس اذیت ناک مرحلے سے گزرنا پڑا اور دینِ حق کے اتباع میں اس صدمے پر صبر کیا۔ آپؐ نے بحکمِ الٰہی ان کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ سے کردیا۔

حضرت رُقیہؓ نے دو ہجرتیں کیں۔ آپؓ سابقین اولین میں سے ہیں۔ نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمانؓ نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔ حضرت رُقیہؓ بھی ساتھ گئیں اور سفر اور دیارِ غیر میں سکونت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جب واپس آئیں تو مکہ کی سرزمین پہلے سے زیادہ خون خوار تھی۔ چناں چہ اس ہجرت کی مدت میں آں حضرتؐ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا تو بے قرار رہے۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آں حضرتؐ نے دعا دی اور فرمایا کہ: ’’ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے‘‘ (اُسدالغابہ: 5/457)۔ اس مرتبہ آپؓ حبشہ میں زیادہ عرصے تک مقیم رہیں۔ جب یہ خبر پہنچی کہ آپؐ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی تھے، مکہ آئے اور آپؐ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے۔

ایک مرتبہ حضورؐ اپنی بیٹی حضرت رُقیہؓ کے گھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت رُقیہؓ حضرت عثمانؓ کا سر دھو رہی تھیں تو آپؐ نے حُسنِ معاشرت اور باہم خدمت کی تلقین کی اور فرمایا کہ: ’’اپنے خاوند ابوعبداللہ (حضرت عثمانؓ) کا خیال رکھنا۔ یہ اَخلاق میں مجھ سے سب صحابہؓ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے‘‘۔

۲ھ غزوۂ بدر کا سال تھا۔ اس سال حضرت رقیہؓ کو خسرہ کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف میں مبتلا ہوئیں۔ آں حضرتؐ بدر کی تیاریاں کر رہے تھے، بدر کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو تیمارداری کے لیے حضرت رُقیہ کے پاس چھوڑ دیا۔ اور اس کے بدلے میں بدر کی شرکت، مالِ غنیمت کا حصہ اور اجر میں شرکت کی خوش خبری دی اور رقیہؓ کی تیمارداری جہادِ بدر کے برابر قرار پائی۔ عین اسی دن جس دن زید بن حارثہؓ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا، حضرت رقیہؓ نے وفات پائی۔ آں حضرتؐ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوسکے، لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہوکر قبر پر تشریف لائے اور دعا فرمائی کہ: ’’اے اللہ! میری بیٹی کی قبر وسیع فرمادے‘‘۔

www.rahimia.org

شذرات

پاکستان میں غلبۂ دین کے عصری تقاضے

ہم نے گزشتہ مہینے انھیں صفحات پر پاکستان میں مذہبی جماعتوں کی جدوجہد کے تناظر میں دو اہم سوالوں کے جوابات کے ضمن میں دو انتہاؤں کا جائزہ لیا تھا کہ وہ کیوں کر غلط ہیں۔ آج ہمارے پیشِ نظر ایک تیسری انتہا ہے، جس میں پاکستان جیسے اکثریتی مسلمان ملک میں اپنی قومی و دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اگر کوئی اپنی سماجی اور سیاسی جدوجہد کو دین کا عنوان دے دے تو اسے ایک جرم تصور کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان میں غلبۂ دین کی جدوجہد ازبس ہے تو اس پر ایک مخصوص حلقے کی طرف سے ایک طوفان بپا ہوجاتا ہے کہ یہ تھیوکریسی کی بات کی جا رہی ہے، جو آج کے دور میں کسی بھی طرح روا نہیں رکھی جاسکتی۔ اس کی وجہ ہمارے ہاں مسلمہ دینی و سیاسی تصورات کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیاں ہیں۔ ان میں سے ایک غلط فہمی خود غلبہ دین کے تصور بارے پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ شاید دین کے نام پر قائم کسی گروہ کی بالادستی کا نام غلبۂ دین ہے، حال آں کہ ایسا نہیں ہے۔

دینِ اسلام اللہ اور لوگوں؛ اور بندوں کے آپسی درست تعلقات کے تشریحی نظام کا نام ہے۔ انسانی زندگی مادے اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اگر دین کی روح کو سامنے رکھا جائے تو مذہب کا ایک پہلو انسان کی باطنی زندگی اور دوسرا اس کی خارجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک ان دونوں پر کامل رہنمائی نہ موجود ہو تو انسانی معاشرے کامل ترقی سے محروم رہتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ، علم الاخلاق اور جغرافیائی تحقیقات نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ قوموں کی جماعتی، قومی اور تہذیبی زندگی دین اور مذہب کی کسی نہ کسی شکل سے ہمیشہ وابستہ رہی ہے۔ دنیا کے جمہور انسانوں کے ہاں مذہب اور دین کو ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ لہٰذا ہمیں پہلے یہاں غلبۂ دین سے متعلق غلط فہمی دور کرلینی چاہیے کہ وہ معروف معنوں میں کوئی مذہبی حکومت (theocracy) نہیں ہے، بلکہ وہ اسلام کے اصولوں کے غلبے کا نام ہے۔ وہ انسانیت کے اجتماعی اَخلاق اور مسلمہ اقدار ہیں، جیسے عدل و انصاف، شورائیت، مساوات، اراکینِ حکومت کی جواب دہی اور استصوابِ رائے وغیرہ۔

دینِ اسلام ظلم اور استحصال پر قائم اداروں اور نظاموں کو بدلنے کی بات کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے ظلم پر قائم نظام اور اس کے محافظ انسانوں کے گروہ کو ''طاغوت'' کے نام سے تعبیر کیا ہے، جس کا اطلاق ہر دور کے ظالم نظام پر ہوسکتا ہے۔ اس ضمن میں اس کے ہاں عقیدے کا اشتراک بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کے ہاں جنگ اور جدوجہد کا پیمانہ ظلم ہے، کیوں کہ ظلم اور شرک سے گروہتیں وجود میں آتی ہیں، جس سے معاشرے آگے بڑھنے کے بجائے جمود کا شکار ہوجاتے ہیں۔ گویا مذہب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانیت کے ارتقا کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹیں دور کی جائیں۔ خواہ وہ داخلی اَخلاقِ ذمیمہ کی شکل میں ہوں، یا خارجی طور پر غلط نظام اور رسم و رواج کی شکل میں ہوں۔ غلبۂ دین ہمارے دینِ اسلام کا بنیادی تصور ہے، کیوں کہ جب وہ باطن کے ساتھ ساتھ خارج کے ماحول کو بھی انسانی ترقی کے لیے سازگار بنانا چاہتا ہے تو وہ اپنا ماحول بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے مفکرین کے ہاں اَخلاق محض جاننے سے نہیں، بلکہ ماحول سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے دین اپنا ماحول اور نظام بھی پیدا کرتا ہے۔

وہ اپنی سیاست بھی قائم کرے گا تو قومی اور بین الاقوامی سیاست پر ظالم، طاغوت کے قبضے کو چیلنج کرے گا۔ جب معیشت میں مساوات قائم کرنا چاہے گا تو معیشت پر قارون صفت سرمایہ داروں کا قبضہ بھی چھڑائے گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''کسریٰ اور قیصر تباہ و برباد ہوگئے اور ان کے خزانے راہِ خدا میں تقسیم ہوجائیں گے'' (بخاری)۔ کوئی بھی نظام جب اپنے فکر میں غلبے کا تصور رکھتا ہے تو مزاحمت اس کی جدوجہد کا لازمی حصہ ہوتی ہے، لیکن یہ مزاحمت مخالف عقیدے کے خلاف نہیں، بلکہ ظالم نظام اور طاغوت کے خلاف ہوتی ہے۔ اسلام کے غلبے کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ اس کے سیاسی معاشی اُصولوں کے غلبے کے ثمرات سے غیر مسلم بھی پوری طرح فیض یاب ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے ہاں بسنے والے سب انسانوں کے حقوق کا تحفظ بلاتفریق مذہب وعقیدہ کرتا ہے۔ اس لیے اس معنی میں اسلام کا غلبہ دراصل انصاف اور راستی کا غلبہ ہے، جو سب انسانوں کی یکساں ضرورت واحتیاج ہے۔

ہمارے ہاں دانش وروں کی ایک قسم مغربی معاشروں کے تناظر میں لکھے جانے والے تجزیوں کو من وعن اپنے ہاں منطبق کرنے کی روِش پر عمل پیرا ہے، جو درست روِش نہیں۔ مثلاً وہاں مسخ شدہ مذہب کی تباہ کاریاں ہوں، مطلق العنان شہنشاہیت کے نمونے یا ظالم جاگیرداری کی کارستانیوں کے نتائج ہوں، ان کو اپنے ہاں کے قومی حالات پر چسپاں کرکے قیاس آرائیاں کرنا ہمارے مسائل کے حل کا راستہ نہیں۔ قوموں اور خطوں کے درمیان جزوی مماثلت ہونا ایک فطری امر ہے، لیکن کسی بھی علاقے اور خطے کا اپنا معروض ہوتا ہے، اسے نظرانداز کرکے درست حقائق تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

جب ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا دین ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کا نقیب ہے۔ وہ آمریت پر مبنی شہنشاہیت اور ظالم جاگیرداری کا دشمن ہے تو ہم ایسے مظاہر کے خلاف جدوجہد کو ایک اکثریتی مسلمان ملک ہونے کے ناطے دینی عنوان کیوں نہیں دے سکتے؟ ہر خطے کی اقوام نے اپنی حریت و آزادی کی تحریکات اور سیاسی جدوجہد میں اپنی زمین سے پھوٹنے والے فکر، قومی روایات اور اپنے تہذیب و کلچر کے سہارے ہی اپنی منزل تک پہنچنے کا راستہ کھوجا ہے۔ ہم اپنے گزشتہ مہینے کے اداریے میں یہ عرض کرچکے ہیں کہ رجعت پسند مذہبی قوتوں کے بیانیے اور رویے ہمیں غلط راہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ ہمیں دینِ اسلام کے حقیقی نظریے سے رہنمائی لینی ہے۔

لہٰذا ہمیں پاکستان میں اپنے حقوق کی جدوجہد کو اسلام سے منسوب کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے بزرگوں نے اس خطے کی آزادی کو اسی راہ سے حاصل کیا تھا اور انھوں نے اس کی معاشی اور تمدنی ترقی کے خواب بھی اسی نظریے میں دیکھے تھے، جن کو تعبیر دینا ہمارا ملّی اور قومی فریضہ ہے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو! (مدیر)

www.rahimia.org

فطری ترقی کے حِجابات کو دور کرنے کا طریقہ

(2)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

(حجاب سوءالمعرفہ دور کرنے کا طریقہ)

''حجاب سوءالمعرفہ (بدفہمی کے حجاب) کی دونوں قسمیں؛ (۱) شِرک (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا) اور (۲) تشبیہ (اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا) درجِ ذیل دو اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں:

(حجابِ سوءِ معرفت کا پہلا سبب اور اس کا علاج)

(1) ایک سبب یہ ہے کہ ایک انسان اپنے ربّ کو پہچاننے کی پوری معرفت حاصل کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انسانی صفات سے بہت ہی زیادہ بلند تر ہے۔ وہ مخلوقات اور محسوسات کی علامات سے بہت ہی زیادہ پاک ہے۔

ایسے لوگوں کا علاج یہ ہے کہ انھیں ان کے ذہنوں کے مطابق ہی مخاطب کیا جائے۔

(چیزوں کے سمجھنے کا ضابطہ)

اس سلسلے میں اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ہر چیز — خواہ موجود ہو یا معدوم، وہ کسی مادی مقام پر ہو یا مادی دائرے سے باہر ہو — انسان کے علم سے ضرور متعلق ہوتی ہے:

(الف) یا اس چیز کی اصل صورت اس کے ذہن میں آتی ہے۔

(ب) یا اس چیز کی صورت کے ساتھ مشابہ رکھنے والی کوئی چیز ذہن میں ہوتی ہے۔

(ج) یا اس کو کسی دوسری چیز سے قیاس کر کے سمجھا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ انسان **معدومِ مطلق** (بالکل وجود نہ رکھنے والی چیز) اور **مجہولِ مطلق** (بالکل معلوم نہ ہونے والی چیز) کا بھی تصور رکھتا ہے۔ چناں چہ وہ ''عدم'' کو بھی کسی ''موجود'' کی معرفت کے حوالے سے ہی جانتا ہے۔ اس موقع پر وہ ملاحظہ کرتا ہے کہ معدوم چیز میں موجود چیز کے اوصاف نہیں پائے جا رہے۔ اسی طرح کسی ''مشتق'' لفظ کے مفہوم کو مفعول کے صیغے کے ساتھ سمجھا جاتا ہے، اور مطلق چیز کے مفہوم کو بھی جانا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی ان اشیا کی تمام معلومات کو جمع کرتا ہے اور انھیں ایک دوسرے کے ساتھ ملاتا ہے۔ اس طرح اُس کے ذہن میں ایک ہیئتِ ترکیبیہ پر مشتمل ایک شکل و صورت منظّم ہو جاتی ہے۔

اس طرح یہ منظّم صورت، اُس پیشِ نظر بسیط — یعنی غیر مرکب مفرد چیز — کے تصور کے لیے ایک آئینہ اور اس کی معرفت کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے، جو خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتی اور نہ ذہنوں میں اس کا کوئی وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات انسان کسی چیز کے نظری مفہوم کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ پہلے اپنے خیال کے ذریعے سے اس کی ''جنس'' (مشترکہ خصوصیات) معلوم کرتا ہے اور اپنے خیال سے ہی اُس کی ''فصل'' (مشترکہ چیزوں سے الگ کرنے والی خصوصیت) کو سمجھتا ہے۔ اس طرح جنس اور فصل سے ملا کر (اس چیز کی تعریف کے طور پر) ایک مرکب صورت اُس کے ذہن میں حاصل ہوتی ہے، جو اس کے مطلوبہ تصور کو پہچاننے کے لیے آئینہ اور ذریعہ معرفت بن جاتی ہے۔

(اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ)

پس اللہ کی معرفت سمجھانے کے لیے ایسے لوگوں کو یوں مخاطب کیا جائے گا کہ:

(الف) ''اللہ تعالیٰ موجود ہے، نہ اس طرح کہ جیسے ہمارا وجود ہے''۔

(ب) اور یہ کہ: ''اللہ تعالیٰ زندہ ہے، نہ اس طرح کہ جیسا کہ ہماری زندگی ہے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں اللہ کی ایسی صفات بیان کی جائیں جو دیکھنے والے کی نظر میں انتہائی قابل تعریف ہوں۔ اس سلسلے میں ہم جن قابل تعریف چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان میں درجِ ذیل تین مفاہیم کا ضرور لحاظ رکھا جائے:

(1) ایسی شئے کو پیشِ نظر رکھنا جس میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور اس میں ان صفات کے اثرات و نتائج بھی ظاہر ہوتے ہوں۔

(2) دوسری وہ شئے کہ جس میں ان صفات میں سے کوئی صفت پائی نہیں جاتی اور نہ ہی کبھی اس میں ان صفات کا پایا جانا ممکن ہو۔

(3) تیسری وہ چیزیں جن میں ان صفات میں سے عملاً کوئی صفت نہیں پائی جا رہی، لیکن ان میں یہ صفات حاصل کرنے کی استعداد موجود ہو۔

مثلاً: (1) زندہ جسم (جس میں زندگی کی صفات اور اثرات پائے جاتے ہیں)۔

(2) جامد جسم (نہ زندگی کی صفات و آثار ہیں اور نہ ہی پائے جانے کا امکان ہے)۔

(3) مردہ جسم (جس میں زندگی کی صفت اور آثار نہیں ہیں، لیکن اس میں زندگی حاصل کرنے کی استعداد تھی)۔

پس اس طرح وہ شئے جس میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں، اس کے ذریعے سے اللہ کے زندہ ہونے کی معرفت حاصل کی جائے گی۔ اس طرح کرنے سے دیگر زندوں کے ساتھ اللہ کی مشابہت پیدا ہونے کی وجہ سے جو خرابی آئے گی، اُسے ''لیس کمثلنا'' (وہ ذات ہماری طرح نہیں ہے) کے جملے سے دور کیا جائے گا۔

(حجابِ سوءِ معرفت کا دوسرا سبب اور اس کا علاج)

(2) (حجابِ سوءِ معرفت کا پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ) تمام محسوس صورتیں اپنی زیب و زینت اور خوب صورتی کے ساتھ انسان کے ذہن پر مسلط ہوں اور وہ اُن چیزوں کی لذتوں میں مبتلا ہو۔ اس کی قوتِ علمیہ ایسی محسوس اور خوب صورت صورتوں سے ہر وقت بھری رہے اور اس کا دل ان لذتوں اور زیب و زینت کے تابع فرمان رہے۔ وہ خالص حق تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے قاصر ہو۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی ریاضتیں اور اعمال کیے جائیں کہ جن کے ذریعے سے انسان میں اونچے درجے کی تجلیات حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے، اگرچہ آخرت میں ہی حاصل ہو اور اللہ کے لیے اعتکافات کیے جائیں اور ممکن حد تک اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے دور بھاگا جائے، جیسا کہ نبی اکرمؐ نے نقش و نگار سے بنے ہوئے کپڑے کو اپنے سامنے سے اُتار دیا تھا (البخاری، حدیث 6109) اور ایسے لباس کو بھی آپؐ نے اُتار دیا تھا، جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے (البخاری، حدیث: 373)۔ و اللّٰہ أعلم! (باب طریق رفع هٰذه الحُجب)

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

طارق بن زیاد؛ فاتحِ اندُلس 2

طارق بن زیاد کی قیادت میں جب اسلامی لشکر جبل الطارق پر اُترا تو اس کے آس پاس کے جزیرے اور شہر بآسانی زیرنگیں ہوگئے۔ طارق نے ان شہروں کی فصیلوں اور قلعوں کو درست کرایا۔ وہ اندلس کے شاہی لشکر سے مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ اُدھر جو چند شہر قبضے میں آئے تھے، وہاں کے باشندوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اس علاقے کا گورنر ان اجنبی حملہ آوروں کو ساحل پر دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا۔ اس نے مقابلے کی جرأت کی، لیکن ایک ہی حملے میں پسپا ہوگیا۔ اس نے اندلس کے بادشاہ راڈرک کے پاس ایک تیز رفتار قاصد بھیجا اور اس کو اطلاع دی کہ ہماری زمین پر ایک بلا اُتری ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکلی ہے۔

بادشاہ کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ اس ناگہانی افتاد سے سخت گھبرایا اور مقابلے کی تیاری شروع کردی۔ حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے کی ملک وقوم اور مذہب کے نام پر اپیل کی۔ اپنے مخالفین کو بھی بلایا۔ طارق نے دشمن کی اتنی بڑی فوج کے جمع ہونے کا حال سنا تو موسیٰ بن نُصیر کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ موسیٰ بھی متوقع صورتِ حال سے غافل نہ تھے۔ وہ کمک کے لیے پہلے سے ہی کشتیوں پر کشتیاں تیار کروا رہے تھے۔ طارق کی امداد کی درخواست پر انھوں نے پانچ ہزار فوج بھیجی۔ اس طرح اسلامی لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار ہوگئی۔ راڈرک ایک لاکھ مسلح فوج لے کر مقابلے پر آیا۔ دوسری طرف مسلمان لشکر دشمن کی اتنی بڑی فوج سے مرعوب ہو رہا تھا۔ طارق نے اس صورتِ حال کو دیکھا تو مجاہدین کے خوف کو دور کرنے کے لیے جنگ شروع ہونے سے پہلی رات ایک پُرزور اور مؤثر تقریر کی:

''مسلمانو! خوب سمجھ لو! اب تمھارے بھاگنے کی جگہ کہیں نہیں۔ سمندر تمھارے پیچھے اور دشمن تمھارے آگے ہے۔ اللہ کی قسم اب سوائے ہمت و استقلال کے تمھارے لیے کوئی راستہ نہیں۔ یہی دونوں اوصاف ہیں، جو شکست نہیں کھا سکتے۔ تمھارا دشمن اپنی فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ مقابلے پر آچکا ہے۔ اس کے پاس سامانِ رسد کا ذخیرہ بھی وافر ہے، مگر تمھارے پاس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دشمن سے یہ اسباب چھین کر حاصل کرلو۔ اگر تم نے کوتاہی کی اور بزدلی دکھائی تو تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ میں تمھیں ایسے مقام پر لایا ہوں، جہاں سب سے سستی چیز انسانوں کی جانیں ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے آپ سے شروع کرتا ہوں۔ مجھے تم جو کچھ کرتا ہوا دیکھو، اسی کی پیروی کرو۔ اگر میں حملہ کروں تو تم بھی ٹوٹ پڑو۔ لڑائی کے میدان میں سب مل کر ایک شخص واحد کی صورت اختیار کرلو''۔ اس پُرجوش تقریر سے فوج کے دل عزم و ہمت، جوش و خروش اور فتح و ظفر کی امیدوں سے معمور ہوگئے۔ یہ ۲۷ ر رمضان ۹۲ھ/ 19/ جولائی 711ء کی یادگار صبح کا سپیدہ نمودار ہوا تو طبلِ جنگ بجایا گیا۔ حملے کی ابتدا ہسپانیہ کے لشکر کی طرف سے ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ۲۷ ر رمضان سے ۵ ر شوال تک جنگ جاری رہی۔ طارق اور اس کی بہادر فوج نے بالآخر جنگ جیت لی اور اندلس کا اکثر حصہ فتح ہوگیا۔

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

اور آئی ایم ایف پھر مان گیا

آئی ایم ایف کی عالمی حیثیت ایک بینک کی سی ہے، جس کا کام دیگر ممالک کو اس لیے قرض دینا ہے، تاکہ لین دین کا عالمی نظام اضمحلال کا شکار نہ ہونے پائے اور اس تناظر میں مقامی کرنسیاں قابلِ استعمال رہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک بینک کی حیثیت سے آئی ایم ایف جب کسی ملک کو قرض دیتا ہے تو اس قرض کی واپسی کا سامان بھی طے کرتا ہے۔ پاکستان جیسے کمزور اور ضرورت مند ممالک آئی ایم ایف کی عموماً تمام شرائط مان جاتے ہیں اور قرض کی رقم مل جانے کے بعد پھر وہی طریقہ کار اپنالیا جاتا ہے، جہاں دنیا کی بڑی اور مشہور کریڈٹ ریٹنگ ایجنسیاں Credit Rating Agencies ان ممالک کی درجہ بندی بہتر کرتی چلی جاتی ہیں اور یوں دیگر ممالک اور بینک قرضوں کی رقوم کا بند کھول دیتے ہیں اور بڑے بڑے پراجیکٹس کی آڑ میں لوٹ مار کا ایک بازار گرم کیا جاتا ہے۔ قرض کی رقم سے حاصل ہونے والی لوٹ کی رقم دوبارہ ان ممالک اور بینکوں میں پہنچ جاتی ہیں جہاں سے وہ چلی تھیں، لیکن اس اثنا میں ایک طرف قوم مقروض اور غلامی میں دھنستی چلی جاتی ہے اور دوسری جانب اُس ملک کی اشرافیہ امیر سے امیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ نتیجتاً ملک کو ایک نئے قرض کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

کرونا کی وبا سے قبل آئی ایم ایف اور پاکستان کے مابین غیر ٹیکس آمدن سے وصولیاں بڑھا کر خسارہ کم کرنے کے معاملات طے پا گئے تھے، لیکن کرونا کی مہاماری نے سب کچھ ہلا کر رکھ دیا اور حکومت کو 1200 ارب روپے کا ریلیف پیکج دینا پڑا۔ اب اس پیکج کی واپسی کا ٹائم آن پہنچا ہے۔ چناں چہ حکومت پر دباؤ کے باوجود بجلی اور ایندھن کے نرخ بڑھا دیے گئے ہیں۔ کرونا کی دوسری لہر کے پیشِ نظر حکومت نے لاک ڈاؤن کا فیصلہ نہیں کیا، جو ایک خوش آئند قدم تھا۔ دوسرا بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں سے سرکولر ڈیٹ کی ادائیگی کے حوالے سے بھی مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔

دراصل ان اقدامات نے معیشت پر مثبت اثرات مرتب کیے ہیں اور اس محدود مدت میں برآمدات میں اضافے اور بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی جانب سے ترسیلاتِ زر نے کرونا کی وجہ سے پیدا ہونے والی خلیج کو پاٹنے میں خاطر خواہ مدد کی ہے۔ رواں مالی سال میں اب تک ان مدات میں 3 ارب ڈالر تک ملکی معیشت میں آچکا ہے، لیکن یہ اب بھی ملکی اخراجات اور خرچ کی نسبت کا نصف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آئی ایم ایف سرکار نے تعمیراتی پیکج (construction package) کی مشروط اجازت دے رکھی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت اس سہولت سے کتنا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ اگر بجلی اور تعمیراتی پیکج سے مطلوبہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو مہنگائی کی ایک بڑی اور تباہ کن لہر کے لیے تیار رہیں۔

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ایشیائی بالادستی کے تقاضے

میانمار میں 2021ء کا فوجی انقلاب

یورپ اور مغربی دنیا کے غلبے کے عہد نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بہ دولت انسانی زندگی میں بے پناہ سہولتیں تو پیدا کیں، لیکن ان کے ثمرات کا حامل صرف ایک مخصوص گروہ رہا۔ اسی گروہ کی بالادستی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے مختلف قسم کی حکمتِ عملیاں مرتب کی گئیں، جس سے یورپ کی قتل و غارت کی عادت پختہ ہوتی گئی۔ یورپین قوتوں نے بلا روک ٹوک ملکوں کے ملک صفحۂ ہستی سے مٹا دیے۔ جمہوریت کے نام پر آمریت کو مسلط کیے رکھا۔ خدا کا شاہکار انسان جو تمام مخلوقات میں اشرف اور محنت کا سب سے فعال عنصر تھا، اسے کیڑوں مکوڑوں سے بدتر بنا دیا۔ ماضی میں ایشیائی غلبے کے عہد میں پیداوار کا دارومدار اگرچہ انسانی محنت اور آلاتِ پیداوار پر منحصر تھا، لیکن اس عہد نے انسانوں سے ان کی قوتِ محنت چھینی اور نہ ہی بر لانے والے اوزار علاحدہ کیے۔ دونوں اسی کی ملکیت میں رہے، جس کے سبب معاشرے میں محنت کش طبقے کی عزت و وقار کا بھرم بھی قائم رہا۔

تاریخ کے مطابق عالمی غلبہ کسی خطے کے لیے مختص نہیں رہا۔ یہ دنیا میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ آج پھر یہ عہد تبدیل ہونے جا رہا ہے۔ یورپین ادارے اپنے مستقبل کے تقاضوں کے تحت ایشیا پیسفک کی طرف منتقل ہوتے جا رہے ہیں۔ مغربی حکمتِ عملی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایشیا پیسفک میں اپنے مورچے قائم کیے جائیں، تاکہ مستقبل میں اُبھرنے والی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا بھرپور بندوبست کیا جاسکے۔ روحِ عصر کو بھانپتے ہوئے ایشیا عالمی اُفق پر اُبھر رہا ہے۔ اس کی مقتدر قوتیں پیش بندی کرتی ہوئی کسی ایسی کھڑکی کے کھلنے اور آلہ کار قوت کو خودسر بننے سے روکنے کا تدارُک کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

یکم رفروری صبح 4 بج کر 10 منٹ پر 'ٹائم یونین' کی رپورٹ کے مطابق میانمار میں فوج نے حکومت کا کنٹرول سنبھال لیا ہے اور ایک سال کے لیے ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔ خبر رساں ادارے 'اے پی' کی 2رفروری 2021ء کی رپورٹ کے مطابق ملکی لیڈر آنگ سان سوچی کو نظر بند کردیا گیا ہے۔ ملکی آئین کی شق نمبر 417 کے مطابق اگر ملک میں حالات نازک ہوجائیں تو آئین فوج کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ملکی انتظام سنبھال لے۔ کورونا وائرس اور نومبر میں الیکشن کو ملتوی نہ کرنے کی وجہ سے ایمرجنسی لگائی گئی ہے۔

8رنومبر 2020ء کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی سے سوچی کی حکومت نے پارلیمنٹ کی 476 نشستوں میں سے 396 پر قبضہ کرلیا تھا۔ فوج نے پارلیمنٹ کے اجلاس کو ملتوی کرنے کو کہا تھا، جس کا نہ صرف الیکشن کمیشن نے انکار کردیا، بلکہ حکومت نے یکم رفروری کو اجلاس بھی طلب کرلیا تھا۔ 3رفروری 2021 کی 'اے پی' کی رپورٹ کے مطابق ملکی حکمران آنگ سان سوچی کی گرفتاری کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی ریلیاں نکالی گئیں۔ احتجاج کے بعد مظاہرین پُرامن طور پر منتشر ہوگئے۔ رپورٹ کے مطابق فوج نے ان ریلیوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان ریلیوں کے پیچھے 4 ڈاکٹروں کا ہاتھ ہے، جن کے نام صیغۂ راز میں رکھے گئے ہیں۔

چینی نیوز ایجنسی گلوبل انک (GLOBALink) کی یکم رفروری کی رپورٹ کے مطابق فوج نے ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کردیا ہے کہ وہ ایک سال کے بعد الیکشن کرائے گی۔ فوج کے ترجمان کا کہنا ہے کہ یونین الیکشن کمیشن کی تشکیلِ نو کی جائے گی اور گزشتہ سال نومبر 2020ء میں ہونے والے پارلیمنٹ کے انتخابات کا ازسرِنو جائزہ لیا جائے گا۔ فرانس کی عالمی نیوز ایجنسی 'اے ایف پی' کی 3رفروری 2021ء رپورٹ کے مطابق پولیس نے معزول رہنما آنگ سان سوچی کے خلاف غیرقانونی طور پر مواصلاتی آلات درآمد کرنے کے الزامات عائد کیے ہیں۔ نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ اور الجزیرہ ٹی وی چینل کی 2رفروری 2021ء کی نشریات کے مطابق امریکی صدر جو بائیڈن نے کہا ہے کہ: ''عالمی برادری کو مل کر برما کی فوج پر اقتدار واپس منتخب نمائندوں کو منتقل کرنے، سیاسی قیدیوں اور سول حکام کی رہائی کے لیے دباؤ بڑھانا چاہیے''۔ دوسری صورت میں اس پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کی دھمکی دی ہے۔

برما کا مسئلہ دیرینہ ہے۔ مغربی طاقتوں کی حکمتِ عملی کے نتیجے میں جمہوریت کے نام پر خطوں میں عدمِ استحکام پیدا کرنے کے لیے معروضی حالات کے تقاضوں کے مطابق سیاست کی آڑ میں تخریب کار جتھے تیار کیے جاتے ہیں، جنھیں پروان چڑھانے کے لیے مختلف طریقوں سے ان کی آبیاری کی جاتی ہے۔ آنگ سان سوچی کو بحالیٔ جمہوریت کی جدوجہد کے لیے 1991ء میں امن کا نوبل انعام دیا گیا۔ عالمی سطح پر اس کی جدوجہد کی پذیرائی کروائی گئی۔ ڈان نیوز کی 2رفروری 2021ء کی رپورٹ کے مطابق سوچی نے 1968ء میں برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کی اور اس کے بعد امریکی ریاست نیویارک منتقل ہوگئیں۔ وہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ تین سال تک اقوامِ متحدہ میں کام کرتی رہیں۔ 1988ء میں وطن واپس آنے پر اس کے لیے نئی سیاسی جماعت نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (National League for Democracy) بنوائی گئی۔ شروع میں حکومت مخالف تمام ریٹائرڈ فوجی افسران کی حمایت سے جدوجہد کی علامت کے طور پارٹی کی جنرل سیکرٹری بنوائی گئی۔ سرمایہ دار ملکوں نے تربیت دے کر انسانی حقوق کی بڑی علم بردار بنا کر پیش کیا۔ جس کی پرورش پر لاکھوں ڈالر خرچ کیے، مستقبل میں ان کی وصولی بھی ضروری ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ جو جان جوکھوں میں ڈال کر ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں، وہ آمر اور ڈکٹیٹر کہلاتے ہیں۔ جو بیرونی قوتوں کی آلہ کاری کرتے ہوئے چمک سے ہاتھ چمکاتے ہیں، یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے نام پر ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے ملکوں میں معتبر، عزت دار اور جمہوریت پسند کے القابات سے نوازے جاتے ہیں۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

انسانی معاشرے میں معاہدات کی اہمیت

5رفروری 2021ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! انسانی معاشرے پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ انسانی سماج معاہدات کا مجموعہ ہے۔ قدم قدم پر انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ کسی نہ کسی معاہدے میں جڑا ہوا ہے۔ معاہدات تحریری ہوں، یا اجتماعی شعور کے تحت انسانوں کے درمیان معاہدات طے کرنے کی اقدار و اَخلاق ہوں، انسان دونوں ہی کا پابند بنتا ہے۔ گھر کے نظام سے لے کر قومی اور بین الاقوامی نظام تک انسانی سماج میں معاہدات ہوتے ہیں۔ اور معاہدات اس لیے کیے جاتے ہیں کہ مختلف انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے تضادات اور اختلافات کا حل تلاش کیا جائے۔

یوں تو تمام انسانیت ایک ہے۔ وحدتِ انسانیت کا بنیادی نظریہ دین اسلام کی تعلیمات کی اساسیات میں سے ہے۔ علمی اور عقلی طور پر بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسانیت 99.9 کے حساب سے یعنی ایک ہزار میں سے 999.9 انسانیت ایک ہے۔ صرف ایک فی ہزار کا اختلاف ہے۔ اس فی ہزار کے اختلاف کے اندر ہی یہ قومیں، نسلیں، تہذیبیں، زبانیں اور ان کے درمیان تنوع پایا جاتا ہے۔ اس ایک فی ہزار اختلاف کے نتیجے میں جو انسانوں میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے اور ان کو درست خطوط پر آگے بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جو 999 اس کے اندر اتفاق کی چیزیں ہیں، اس کے مطابق اس کو حل کیا جائے۔ یہ اختلاف زیادہ سے زیادہ رنگ و نسل کا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس رنگ و نسل کے اختلاف کی وجہ بھی قرآن نے بیان کر دی کہ 'لِتَعَارَفُوْا' کہ یہ جو ہم نے تمھارے قبائل بنائے ہیں، نسلی امتیازات اور خصوصیات پیدا کی ہیں، ان کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو۔ کیوں کہ انتظامی نظم و نسق کے لیے افراد کی شناخت کا ہونا ضروری ہے کہ کون آدمی کس منفرد شناخت کے ساتھ، کن خصوصیات کا حامل ہے یا کس خطے میں بس رہا ہے؟ کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا ہے؟ تا کہ اس کے مطابق نظم و نسق درست طریقے سے قائم ہو سکے۔

انتظامی نظم و نسق میں اہم اور بنیادی چیز انسانوں کے درمیان سماجی معاہدات ہیں۔ نظم و نسق اس کے بغیر قائم ہی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کوئی سوشل کنٹیکٹ نہ ہو اور افراد کے درمیان معاملات طے کرنے کا کوئی معاہدہ وجود میں نہ آئے۔ کیوں کہ معاہدات ہی کی بنیاد پر معاملات اور مسائل حل ہوں گے۔ گویا معاہدات کی بنیادی روح یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے اختلافات نمٹیں۔ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے کسی بات پر متفق ہوں۔ انسانیت ترقی کرے۔ انسانوں میں عدل، امن، معاشی خوش حالی ہو۔ اسی لیے معاہدات امن کی ضمانت ہوتے ہیں، معاشی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ معاہدات کے نتیجے میں انسانی سوسائٹی میں رحم دلی، تعلقات اور باہمی پیار و محبت استوار ہوتا ہے۔''

معاہدات کی روح: اختلافات اور جھگڑے نمٹانا ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ہماری فقہ کی کتابوں میں دین اسلام کی تعلیمات کا یہ بنیادی اُصول بیان کیا جاتا ہے کہ معاہدہ ایسا ہونا چاہیے کہ جس کے نتیجے میں جھگڑے نمٹیں۔ خاص طور پر خرید و فروخت کے معاملات میں یہ باتیں طے ہوں کہ بیچنے والا کیا چیز بیچ رہا ہے؟ کتنی مقدار میں بیچ رہا ہے؟ اور کس وقت دے گا؟ ابھی یا کچھ وقت ٹھہر کے۔ اس کی مکمل تعیین ضروری ہے اور اس کے بدلے میں جو خرید رہا ہے، وہ کیا چیز دے گا؟ چاندی کے سکے دے گا، سونے کے دے گا، یا بارٹر سسٹم کے تحت اَور کوئی جنس دے گا؟ اس کا بھی تعین ہونا ضروری ہے۔ اگر معاہدہ گول مول ہے، کچھ اتہ پتہ نہیں چل رہا، تو وہ ''مفضی الی المنازعہ'' یعنی جھگڑے کی طرف لے جانے والا ہے۔ وہ بیع فاسد ہے۔ کیوں کہ معاہدے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر ایک فریق اس اختلاف اور جھگڑے کو ختم کر کے اپنے اپنے حقوق و فرائض کے تحت کام کرے۔

خرید و فروخت میں بھی یہی ہے اور معاہدۂ نکاح کا بھی یہی قانون ہے۔ اسی طرح ایک قومی سطح کے سیاسی اور سماجی معاہدے میں بھی یہ طے کرنا ضروری ہے کہ حکمران کے کیا فرائض ہوں گے اور عوام کے کیا فرائض ہوں گے؟ جو حکومت میں ہیں، جن کے پاس نظم و نسق ہے۔ انھوں نے کون کون سے کام کرنے ہیں؟ اور کون کون سے کام عوام نے کرنے ہیں؟ اجتماعیت کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟ پھر حکومت کا نظم و نسق کس پیٹرن پر چلے گا؟ کیا طریقۂ کار ہوگا؟ انتظامی فیصلے کیسے ہوں گے؟ انتظامات پر عمل درآمد کے پروسیجرز کیا ہوں گے؟ پھر اس کو چیک کرنے کا عدالتی نظام کیا ہوگا؟ جب تک مقنّنہ، عدلیہ، انتظامیہ، تینوں شعبے اور اُن کے مکمل قوانین اور ضابطے وجود میں نہ آئیں تو معاہدۂ عمرانی (social contact) نہیں کہلا سکتا۔ پھر اس کے ذیل میں جتنے بھی نیچے تک کے معاہدات ہیں، خرید و فروخت کے ہوں، لین دین کے ہوں، شادی بیاہ کے ہوں، دیگر اُمور سرانجام دینے کے ہوں، قومی ہوں، یا ایک ریاست اور قوم دوسری ریاستوں سے یا اقوام سے جو معاملات طے کرے گی، اس کے قوانین اور ضابطے کیا ہوں گے؟

پھر اقوامِ عالم مل کر بین الاقوامی سطح پر اپنے معاملات، خارجہ تعلقات کس طریقے سے سرانجام دیں گے؟ اس کے لیے بھی قوانین اور ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام معاہدات کا بنیادی مقصد اور ہدف انسانوں میں وہ جو ایک فی ہزار اختلاف ہے، اس اختلاف کو حل کر کے وحدتِ انسانیت کے تقاضے کے مطابق انسانوں میں امن، عدل، خوش حالی اور ترقی کے لیے راستہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ کتابِ مقدس قرآن حکیم نے انسانی سماج کا اس نقطہ نظر سے تعارف کرایا ہے۔ معاہدات کے حوالے سے پورے قرآن حکیم میں سینکڑوں آیات میں گفتگو کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَ کَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلاً'' (الاحزاب: 15) اللہ تعالیٰ کے نام پر کیے گئے معاہدوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔

www.rahimia.org

معاہدات توڑنے کا سامراجی کردار

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''مسلمانوں نے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں گیارہ سو سال تک معاہدات کی پاسداری کی اساس پر انسانیت میں عدل، امن اور معاشی خوش حالی کا نظام قائم کیا۔ جب سے یورپین انسانیت پر مسلط ہوئے ہیں اور اس برعظیم پاک و ہند پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوا تو ہر معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی۔ ہر معاہدے میں دباؤ ڈال کر ایسا پریشر پیدا کیا گیا، جس کے ذریعے سے اختلافات حل ہونے کے بجائے اختلاف کی خلیج کو بڑھایا گیا۔ 1757ء کی جنگِ پلاسی سے پہلے سراج الدولہ سے ہونے والے معاہدے سے لے کر آج تک کے تمام معاہدات کی پوری تاریخ آپ کے سامنے رہنی چاہیے کہ ہر معاہدے کے پیچھے مسئلہ حل کرنا نہیں، بلکہ مسئلہ پیدا کرنا رہا ہے۔

آج 5/فروری کو جو یومِ کشمیر آپ منا رہے ہیں، اس کی اساسیات بھی ایک معاہدے سے جڑی ہوئی ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں ایک معاہدے کے تحت دو ملک وجود میں آئے ہیں۔ اس معاہدے کے نتیجے میں دونوں ملکوں میں جھگڑے نمٹنے چاہئیں تھے یا جھگڑے پیدا ہونے چاہئیں تھے؟ اگر ایک معاہدے کے نتیجے میں کوئی جھگڑا پیدا ہو اور اس کی وجہ سے ایک پوری نسل اذیت، تکلیف، غلامی اور پستی کی حالت میں ہو تو اس معاہدے کی عقلی طور پر کیا وقعت ہے؟ انسانی حقوق اور دین و شریعت کے اعتبار سے کیا حیثیت ہے؟ دین اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے کیا اہمیت ہے؟ معاہدے کا مطلب تو جھگڑے نمٹانا ہے۔ اگر معاہدے کے نتیجے میں جھگڑے پیدا ہو رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاہدہ نہیں ہے، وہ انسانیت سے دھوکا اور فراڈ ہے۔ دین سے اور انسانیت سے غداری ہے۔ دین میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کا سبب ہے۔

جب آپ نے ایک فارمولا تسلیم کر لیا کہ دوقومی نظریے کی بنیاد پر برٹش انڈیا کے علاقے دونوں ملکوں میں تقسیم ہوں گے تو 565 ریاستوں کی حیثیت متعین کرنے میں یہ فارمولا کیوں توڑا گیا؟ کیوں یہ تسلیم کیا گیا کہ ریاستوں کے راجے مہاراجے، نواب اور نظام فیصلہ کریں گے کہ ہماری ریاست کدھر شامل ہو؟ اِدھر شامل ہو یا اُدھر شامل ہو؟ کیوں؟ اس کا مطلب یہ کہ جھگڑا کھڑا کرنا مقصد ہے۔ انتشار پیدا کرنا ہدف ہے۔ اسی لیے محققین کی اجتماعی رائے یہ ہے کہ اسی معاہدے کا ایک تسلسل ہے، جس سے کشمیر کی تباہی اور بربادی ہوئی۔ یہ اسی معاہدے کا نامکمل ایجنڈا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب تقسیم کا ایک فارمولا طے ہو گیا تو ہر مسلم اکثریتی علاقہ اور ریاست پاکستان میں شامل ہو اور ہندو اکثریتی علاقہ ہندوستان میں شامل ہو۔ پھر کشمیر پاکستان کا حصہ کیوں نہیں بنایا گیا جو مسلم اکثریتی علاقہ ہے؟ کیوں اس معاہدے پر سائن کیے گئے، جس میں مہاراجہ کشمیر کو الگ سے معاہدہ کرنے اور اپنی ریاست کا الحاق کرنے کے اختیارات دیے؟ کیوں اس معاہدے پر سائن کیے گئے کہ جو نظام حیدرآباد کو یہ اختیار دیتا تھا کہ وہ اپنی حیدرآباد یا جوناگڑھ کی ریاست کو اپنی مرضی کے تحت جدھر چاہے شامل کرے؟''

انسانی بنیادوں پر معاہدات کا تجزیہ ضروری ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''قرآن حکیم اس بات پر بار بار زور دیتا ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی کرنا، معاہدات کے اندر جھگڑے پیدا کرنے کے حوالے سے شقیں اور شرائط رکھنا، دراصل معاہدے کے وجود کا انکار ہے۔ اسی لیے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہر معاہدہ جس میں اس کی روح کے خلاف کوئی بھی شرط لگائی گئی ہو تو وہ باطل اور غلط ہے۔ معاہدے کی اصل روح انسانیت ہے۔ اگر کسی معاہدے کے سبب سے انسانیت کا قتلِ عام ہو رہا ہے، انسانیت کو نقصان ہو رہا ہے، انسانیت بھیڑیوں کے حوالے ہو رہی ہے، انسانیت پر ظلم ہو رہا ہے تو اس معاہدے میں کتنی ہی شقیں رکھ لی جائیں، وہ تمام شقیں باطل اور غلط ہیں۔

ہمارے فقہا اور علما خرید و فروخت کے لین دین میں تو اس قانون اور شریعت کے اس حکم کو لاگو کرتے ہیں، لیکن سیاسی معاہدات میں، سماجی معاہدات میں، قومی اور بین الاقوامی معاہدات میں یہ شرط کیوں عائد نہیں کی جاتی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس برعظیم پاک و ہند میں سیاسی شعور مسخ کر دیا گیا۔ مسجد میں لکھ کر لگا دیا گیا کہ سیاست پر باتیں کرنا ممنوع ہے۔ سیاست پر گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ حکمرانوں کا کام ہے کہ وہ سیاست پر بات کریں، جیسے چاہیں اُلٹے سیدھے معاہدے طے کریں، معاملات طے کریں۔ نہیں! عوام کا بھی حق ہے کہ وہ معاہدات پر گفتگو کریں۔

کیا نبیؐ سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی طاقت ہے؟ آپؐ صلح حدیبیہ میں ایک معاہدہ کرتے ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ اس معاہدے پر سوالات اُٹھاتے ہیں۔ حال آں کہ نبیؐ نے اللہ کے حکم سے ایک فیصلہ کر لیا، لیکن اللہ نے کہا کہ جب آیاتِ رب پڑھ کر بھی سنائی جائیں تو اللہ کے بندے وہ ہیں، جو اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے، سمجھتے ہیں، عمر فاروقؓ سمجھنا چاہتے ہیں کہ بھئی! یہ معاہدہ کیوں کیا آپ نے؟ کیوں ہم یہ ذلت کی صلح قبول کریں؟ اس معاہدے پر سوال ہے۔ نبی اکرمؐ نے سمجھایا، حضرت ابوبکرؓ نے سمجھایا تو تب جا کر انھیں بات سمجھ میں آئی۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں صاف طور پر فرمایا کہ ہمارے مالیاتی معاملات اور ہمارے انتظامی اختیارات پر تم عوام کو سوال کرنے کا حق ہے۔ تم مجھ سے پوچھو کہ میں نے مالیاتی معاملات اور معاہدات کیسے سرانجام دیے؟

آج قوم کو بھی سوال کرنا چاہیے کہ آپ نے کشمیر پر جو معاہدہ کیا تو اس معاہدے کی یہ فلاں فلاں شق کس بنیاد پر ہے؟ کیا منطق ہے اس کی؟ ایسی شقوں کو کیوں قبول کیا، جن کے نتیجے میں آج 72 سال ہو گئے کشمیریوں کا خون بہہ رہا ہے۔ وہ ذلت اور رُسوائی کی حالت میں ہیں۔ اپنی قومی نسلوں کو تباہ و برباد کر دینے سے بڑا ظلم کیا ہوگا؟ اس سے بڑی خلاف ورزی کیا ہوگی کہ سامراج ایسی ہڈی چھوڑ کر چلا گیا کہ جس کے نتیجے میں لڑتے رہو، مرتے رہو، ایک دوسرے کا خون بہاتے رہو۔ اس لیے آج سمجھ داری عقل و شعور اور تدبر کی بڑی ضرورت ہے، جو دین اسلام ایک مسلمان جماعت میں پیدا کرنا چاہتا ہے''۔

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا ابوحامد محمد میاں منصور انصاریؒ

تحریکِ ریشمی رومال کے قائدین میں ایک اہم ترین نام حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کا بھی ہے، جنھوں نے اس تاریخی تحریک میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ مولانا انصاریؒ 10/ مارچ 1883ء کو مولانا محمد عبداللہ انصاریؒ (بھانجے اور داماد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے ہاں ضلع سہارن پور کے قصبہ انبیٹھہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا موصوفؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور 1857ء کی جنگِ آزادی کے عظیم مجاہد حضرت نانوتویؒ کے حقیقی نواسے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں حاصل کی۔ 1903ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ تحصیلِ علم کے بعد کچھ عرصہ درس وتدریس میں مصروف رہے۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر شریف میں صدر مدرّس کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔ حضرت عالی مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حسبِ منشا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے ترجمہ قرآنِ حکیم کے کام کا آغاز فرمایا تو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا محمد میاں انصاریؒ کو دیوبند بلالیا، تاکہ اس کام میں وہ ان کے ساتھ تعاون کریں۔

یوں تو حریت وآزادی کی خاطر قربانیاں پیش کرنے کی ہمت واستقامت مولانا انصاریؒ کو وراثت ہی میں ملی تھی، لیکن طالبِ علمی کے دور میں حریت پسند تحریک میں عملی کردار ادا کرنے کا بھی موقع مل گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے زیرِ تربیت رہے اور آپؒ کی حصولِ آزادی کی تحریک 'تحریکِ ریشمی رومال' میں سرگرم کردار ادا کیا۔ 1909ء میں جمعیت الانصار قائم ہوئی تو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ساتھ نائب ناظم کی ذمہ داریاں بہ خوبی نبھائیں۔ 1915ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حجاز تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز پہنچتے ہی مکہ معظّمہ کے گورنر غالب پاشاؒ سے ملاقات کی اور انھیں ہندوستان کی صورتِ حال اور اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ غالب پاشاؒ نے آپؒ سے تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں آپؒ کو کئی تحریریں دیں۔ ایک تحریر مسلمانانِ ہند کے نام تھی، جس میں انھیں ظالم انگریز کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اہلِ ہند کو آزادیٔ کامل پر آمادہ ہوجانا چاہیے اور اپنی جدوجہد کو تیز کردینا چاہیے۔ یہی وہ تحریر ہے جو تاریخ میں 'غالب نامہ' کے نام سے مشہور ہے۔ اس تحریر کو ہندوستان اور کابل میں پہنچانے کا انتہائی اہم کام مولانا موصوفؒ ہی کے سپرد کیا گیا۔

اپریل 1916ء میں 'غالب نامہ' اور دوسرے ضروری کاغذات بہ حفاظت ہندوستان پہنچانے کے لیے یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا کہ لکڑی کے ایک صندوق کے تختے کو کھود کر اس میں تمام کاغذات رکھ دیے گئے تھے، تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ یہ صندوق مولانا ہادی حسنؒ اور حاجی شاہ بخش سندھیؒ کے حوالے کردیا گیا۔ بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی بھی موجود تھی، اس کے باوجود انتہائی راز داری سے یہ صندوق وہاں سے نکال لیا گیا۔ اسی سفر کے دوران ہی مولانا موصوفؒ نے اپنے اصل نام 'محمد میاں' کے بجائے 'منصور انصاری' رکھ لیا تھا۔ پھر اسی نام سے شہرت پائی۔

دہلی میں حاجی احمد میرزا فوٹوگرافر نے 'غالب نامہ' کے متعدد فوٹو لیے، تاکہ ملک کے مختلف علاقوں میں پہنچائے جاسکیں۔ دہلی میں جماعت کی مرکزی قیادت کو یہ تحریر دکھانے کے بعد مولانا موصوفؒ یاغستان روانہ ہوگئے۔ وہاں ایک ماہ قیام کے بعد امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے پاس کابل تشریف لے گئے۔ اس پورے سفر کے دوران 'غالب نامہ' کی کاپیاں مختلف جگہوں پر تقسیم کرتے رہے۔ کابل کی قیادت کو حضرت شیخ الہندؒ کے پیغامات پہنچائے گئے۔ حجاز سے روانگی سے قبل حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا موصوفؒ سے تحریک کے خفیہ اُمور پر مشاورت فرمائی اور وطن واپسی کے بعد ان کے ذمے تحریک کے شعبوں کی نگرانی سپرد کی، جسے انھوں نے کمال راز داری سے سرانجام دیا اور اپنے تمام امور سے متعلق ایک تفصیلی خط حضرت شیخ الہندؒ کو تحریر کیا۔ انگریز کی سی آئی ڈی کی رپورٹ میں جن ریشمی خطوط کا تذکرہ ہے، اس میں یہ خط بھی شامل ہے۔ وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے قائم کی جانے والی جماعت 'جنودِ ربانیہ' کی فہرست میں مولاناؒ کا عہدہ 'نائب سالار (لیفٹنٹ جنرل)' کے طور پر لکھا ہوا ہے۔

کابل میں قیام کے دوران افغانستان کے مقتدر حلقوں میں بھی مولانا انصاریؒ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حکومتِ افغانستان نے انھیں وزیرِ مختار بنا کر سفارتی مشن کے ساتھ ترکی بھیجا تھا۔ ایک موقع پر ماسکو میں بھیجے گئے سیاسی مشن میں انھیں بہ طورِ مشیر نامزد کیا گیا۔ 1929ء میں افغانستان کے حالات کے پیشِ نظر چند ماہ تک روس میں جلاوطنی کی زندگی بسر کی۔ افغانستان میں اعلیٰ سطح کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے۔

مولانا انصاریؒ سیاسی ذہن رکھنے والے ایک زیرک رہنما تھے۔ انھوں نے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق عملی سیاسی نظام کا ڈھانچہ اپنے ایک رسالے ''حکومتِ الٰہی: دستورِ اساسی امامتِ اُمت'' میں بھی پیش کیا ہے۔ سیاسیات کے موضوع پر متعدد کتب اور رسائل تحریر فرمائے۔ وہ ایسی سماجی تشکیل کے داعی تھے، جس میں وطنِ عزیز کے باشندے نئے آنے والے دور کے مسائل کو بھی حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ان کی دور اندیشی اور مستقبل بینی کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب قاسمیؒ کو لکھا، جس میں کہا گیا کہ: ''دارالعلوم دیوبند نے گزشتہ 70 برس میں دین کو اتنا پڑھا دیا ہے کہ ہندوستان میں دین اگلے 100 برسوں کے لیے ان شاء اللہ محفوظ ہوگیا ہے۔ میری ادنیٰ رائے یہ ہے کہ اب آپ اس دارالعلوم کو ٹیکنکل یونیورسٹی میں تبدیل کر دیں، اور یہ کام آپ بہ خوبی کرسکتے ہیں۔ دنیا کو سائنس کی تباہ کاریوں سے محفوظ ومامون دیکھنے کی خواہش کی تکمیل اس بات کی متقاضی ہے کہ ہمارے علمائے کرام دین کے ساتھ ساتھ سائنس کی ترقیات سے مثبت رُخ پر ایک عالَم کو مستفیض فرمائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو میں دیکھ رہا ہوں کہ آئندہ 50 برسوں میں مسلمان حکومتیں پے بہ پے شکست سے دوچار ہوں گی۔ عام مسلمان اسے اپنے اعمال کی سزا گردانے گا، تاہم یہ ہزیمت سائنس سے عدم واقفیت کے سبب ہوگی''۔ امامُ الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کی یہ رائے تھی مولانا انصاریؒ جیسے ذہین انسان کی وطنِ عزیز کو اشد ضرورت ہے، اس لیے انھیں واپس بلا لیا جائے، لیکن حریت وآزادی کی خاطر 31 سال تک جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے یہ عظیم رہنما 11/ جنوری 1946ء کو جلال آباد (افغانستان) میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔

www.rahimia.org

مہمان کالم

تحریر: مصطفیٰ صفدر بیگ

سونے کی چڑیا اور مغل حکمران

ایک دور تھا جب متحدہ ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان شروع دن سے ہی سونے کی چڑیا تھا، یا اِسے باقاعدہ سونے کی چڑیا بنایا گیا تھا؟ کیا مغلوں سے پہلے بھی ہندوستان سونے کی چڑیا تھا؟ یا اسے سونے کی چڑیا بنانے میں دریائے آمو کے اُس پار سے آنے والے مغلوں کا بھی کوئی کردار تھا؟ آیئے! حقائق تک پہنچنے کے لیے دنیا کے نامور محققین اور مؤرخین کی کتابیں کھنگالتے ہیں۔

مثال کے طور پر ڈاکٹر کارل جے شیمتھ کو ہی لے لیں۔ ڈاکٹر کارل امریکا کی سب سے قدیم جامعہ ساؤتھ ڈکوٹا یونیورسٹی میں علمِ تاریخ اور سیاسیات کے استاد، تاریخ دان اور محقق ہیں۔ ڈاکٹر کارل نے اپنی کتاب ''این اٹلس اینڈ سروے آف ساؤتھ ایشین ہسٹری'' میں اُن لوگوں کو بالخصوص آڑے ہاتھوں لیا ہے، جو مغل شہنشاہوں اور مغلیہ سلطنت کا مذاق اُڑاتے نہیں تھکتے۔ اپنی کتاب کے صفحہ 45 پر ڈاکٹر کارل نے لکھا ہے کہ: ''سترہویں صدی میں مغلوں کے دور میں ہندوستان کی معیشت دنیا کی ایک بڑی معیشت تھی، جس کی وجہ سے ہندوستان دنیا کا خوش حال ترین خطہ تھا''۔ کیمبرج یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر اینگس میڈیسن نے ''عالمی معیشت اور تاریخی اعداد وشمار'' کے نام سے اپنی تحقیقی کاوش کے صفحہ 256 پر دیے گئے جدول میں بتایا ہے کہ: ''سترہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی جی ڈی پی یعنی مجموعی ملکی پیداوار چین کی منگ سلطنت کے بعد دوسرے نمبر پر آتی تھی۔ اس وقت دنیا کی مجموعی پیداوار کا 22 فی صد ہندوستان میں پیدا ہوتا تھا اور یہ مجموعی ملکی پیداوار سارے یورپ کی مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ تھی۔ سترہویں صدی کے اختتام تک یعنی اورنگزیب عالمگیر کے دور میں یہ جی ڈی پی 24 فی صد سے زیادہ ہوچکی تھی، جو کہ چین اور سارے یورپ کی مجموعی جی ڈی پی سے بھی زیادہ تھی''۔ یہی وہ دور تھا، جب اہلِ مغرب نے ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہنا شروع کیا اور پھر اچھے مستقبل کی تلاش میں باقاعدہ ہندوستان کا رخ کرلیا۔

''یورپ کیوں امیر ہوا؟ اور ایشیا امیر کیوں نہ ہوسکا؟'' کے نام سے بوسٹن کالج کے پروفیسر ڈاکٹر پراسنان پراتھا سراتھی لکھتے ہیں کہ ''مغل دور میں ہندوستان مینوفیکچرنگ کے شعبے میں دنیا میں پہلے نمبر پر آتا تھا''۔ اِسی طرح ہارورڈ یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر ڈاکٹر جیفری گیل ولیمسن نے ''اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان میں صنعتی انحطاط'' نامی اپنی تحقیقی کاوش میں بتایا ہے کہ: ''مغل دور میں ساری دنیا کی 25 فی صد مینوفیکچرنگ صرف ہندوستان میں ہورہی تھیں''۔

ڈاکٹر اینگس میڈیسن نے ''عالمی معیشت اور تاریخی اعداد وشمار'' میں مزید لکھا کہ ''مغل دور میں ہندوستان کی مجموعی ملکی پیداوار میں جس برق رفتاری سے اضافہ ہوا، اس کی مغلوں سے پہلے کے ہندوستان کی چار ہزار سالہ تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی! مغل دور کے پہلے دوسو سالہ دور میں ہونے والی ترقی ہندوستان کی معلوم تاریخ کی چار ہزار سالہ تاریخ کی ترقی سے سوگنا زیادہ تھی''۔ اسی طرح ڈچ مؤرخ لیکس ہیر ماوین واس نے ''متحدہ ہندوستان کے ٹیکسٹائل یعنی کپڑے کی برآمد کنندگان اور گلوبلائزیشن'' کے عنوان سے اپنی کتاب میں مغل دور کی معیشت کو جدید صنعتی دور کی اساس قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے صنعتی انقلاب سے پہلے یورپ انقلاب کی بنیادیں استوار کرچکا تھا''۔

اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ہندوستان بلاشبہ سونے کی چڑیا بن چکا تھا، لیکن یہ سب کچھ ایسے ہی خود بہ خود نہیں ہوگیا تھا، بلکہ اس کے لیے مغلوں نے مضبوط بنیادیں فراہم کردی تھیں۔ جنوبی کیرولینا کی ڈیوک یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد اور امورِ مغلیہ کے معروف عالم جان ایف رچرڈز نے اس کی تفصیل اپنی تحقیقی کاوش ''دی مغل ایمپائر'' میں رقم کی ہے۔ جان ایف رچرڈز کا کہنا ہے کہ ''ہندوستان کو سونے کی چڑیا بنانے کے لیے مغلوں نے تین بنیادی کام کیے: اوّل سلطنت کے اندر شاہراہوں کا جال بچھایا گیا۔ مختلف علاقوں کو آپس میں پختہ سڑکوں سے ایسے ملا دیا گیا کہ دہلی سے سلطنت کے کسی بھی حصے تک محض دو دن پہنچا جاسکتا تھا۔ دوسرا کام یہ کیا گیا کہ ملک میں ایک یکساں کرنسی رائج کی گئی اور سابق بیرونی حکمرانوں کی طرح درہم یا دینار رائج کرنے کی بجائے تجارت اور لین دین کے لیے مقامی کرنسی ''روپیہ'' کو رائج کیا گیا۔ اس سے روپے کو مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے میں بھی بہت مدد ملی۔ جب کہ تیسرا اور سب سے اہم کام سارے ہندوستان کو متحد کرنا تھا''۔

عالمگیر کے دور میں جب سارا ہندوستان تاجِ مغلیہ کے زیرنگیں آگیا تو ہندوستان حقیقت میں سونے کی چڑیا بن چکا تھا، جس کے بعد مغربی ممالک اپنی قسمت آزمانے کے لیے دھڑا دھڑ ہندوستان پہنچنا شروع ہوگئے۔ ڈاکٹر کارل جے شیمتھ نے بھی اپنی کتاب میں جان ایف رچرڈز کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر کارل رقم طراز ہیں کہ ''مغلوں نے دنیا کا پہلا پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ ہندوستان میں قائم کیا، جس کا مقصد ہندوستان میں سڑکیں اور شاہراہیں تعمیر کے منصوبے تیار کرنا، شاہراہیں تعمیر کرنا اور بعد از تعمیر ان سڑکوں کی مکمل دیکھ بھال اور باقاعدگی سے مرمت کرنا تھا۔ مغل دور میں ہندوستان کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہیں تھا، جو سڑکوں کے ذریعے اپنے اِردگرد کے شہروں اور قصبات کے ساتھ نہ ملا ہوا ہو۔ سڑکوں کی تعمیر کا مقصد تجارت میں آسانی، روانی اور تیزی لانا تھا''۔

گرینڈ ٹرنک روڈ کا بنیادی منصوبہ بابر کے دور میں بنا۔ شیر شاہ سوری نے اس پر عمل کیا اور بعد میں مغلوں نے جی ٹی روڈ کو اس دور کی ''موٹروے'' کے مطابق بنایا۔ یہی حال ملک میں بنائی جانے والی دوسری سڑکوں اور شاہراہوں کا بھی تھا۔ مغلوں نے متحدہ ہندوستان کو جن بنیادوں پر دنیا کی مضبوط، بڑی اور بہترین معیشت کے قالب میں ڈھالا، وہ کسی بھی معیشت کی ترقی کے لیے بنیادی اجزا اور عناصر سمجھے جاتے ہیں۔ (بقیہ: ص 12 پر)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

اهم اعلان

تقریبِ تکمیل صحیح بخاری شریف

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں ہرسال دورۂ حدیث شریف کی کلاس ہوتی ہے۔ اس کلاس میں صحیح بخاری شریف کا درس ہوتا ہے۔ امسال حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نے اس کتاب کا درس دیا ہے۔

سال کے اختتام پر ادارہ رحیمیہ لاہور میں ''صحیح بخاری شریف'' کی تقریبِ تکمیل

مؤرخہ: 14/مارچ 2021ء / ۲۹/رجب المرجب ۱۴۴۲ھ

بروز: اتوار بوقت: صبح 11 بجے

منعقد ہوگی۔ جس میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر مدظلہم (مجازین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ) کے بیانات ہوں گے۔ نیز حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ صحیح بخاری شریف کی تکمیل کرائیں گے۔ تمام احباب سے اس بابرکت تقریب میں شرکت کے لیے التماس ہے۔

بقیہ: گزشتہ صفحہ مغل سلطنت کے بنیادی اصول موجودہ پاکستان کو دنیا کی بہترین معیشت بنانے کے لیے آج بھی اُسی طرح قابلِ عمل ہیں۔ پاکستان میں مغل بادشاہوں کا مذاق تو بہت اُڑایا جاتا ہے، لیکن مغلیہ سلطنت میں جس طرح ہندوستان کی امارت اور ترقی وخوش حالی کو دیکھ کر اہلِ مغرب کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں، وہ بھی ایسی ہی حقیقت ہے، جس سے صَرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اس تحریر کا مقصد وہ حقائق سامنے لانا ہے، جن کا اعتراف مکمل غیر جانب دار محققین نے اپنی کتب میں کیا ہے۔ ہندوستان بجا طور پر مغل دور میں سونے کی چڑیا بنا اور یہ کام مغلوں نے کیا، لیکن صرف اپنے لیے نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کے لیے، حتیٰ کہ غیر ہندوستانیوں کے لیے بھی۔ یہ سونے کی چڑیا آنے والی دوصدیوں میں کس طرح زوال اور انحطاط کا شکار ہوئی، آئندہ تحریروں میں اس پر بات ہوگی، فی الحال اس تحریر کا مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی کہانی بہت رفتہ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ ابھی کل کے متحدہ ہندوستان کی بات ہے! ہمارا یہ روشن ماضی اتنا قدیم بھی نہیں ہے جسے چھوا نہ جاسکے! یہ ماضی بعید نہیں ماضی قریب کی ہی کہانی ہے! اور بالکل سچی کہانی ہے، جس کا اعتراف مخالفین بھی کرنے پر مجبور ہیں!

خوشخبری نئی جگہ پر ''رحیمیہ بُک شاپ'' کا افتتاح

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے ''القادر بلاک'' میں نئی جگہ پر باقاعدہ رحیمیہ بک شاپ کا افتتاح مؤرخہ 26/فروری 2021ء بروز جمعۃ المبارک کو کردیا گیا ہے۔ جس میں نہ صرف ادارہ کی مطبوعات بلکہ دیگر معتبر اداروں کی اسلامی وفکر وفلسفے، سیاست ومعیشت اور سماجیات سے متعلق مطبوعات دستیاب رہیں گے۔ احباب مقررہ اوقات میں یہاں سے اپنے ذوق کے مطابق کتب خرید سکتے ہیں۔ (ادارہ)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال اسلم اور افضل دونوں بھائی ہیں۔ ان میں سے اسلم کے ہاں بیٹی اور افضل کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اسلم کی بیوی افضل کے بیٹے کو اس کی ماں کی غیر موجودگی میں رونے پر دودھ پلاتی ہے اور گھر کے کسی فرد کو نہیں بتلاتی۔ اس کے مرنے کے بعد ایک پڑوسن کہتی ہے کہ اسلم کی بیوی نے افضل کے بیٹے کو دودھ پلانے کا میرے سامنے اقرار کیا تھا، کبھی کہتی ہے مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ اسلم کی بیوی زندگی میں اپنے گھر کہا کرتی تھی کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی افضل کے بیٹے کے ساتھ نہیں ہونے دینی۔ کیا اب ان دونوں لڑکا اور لڑکی کی آپس میں شادی ہوسکتی ہے؟

جواب اسلم کی بیوی کا افضل کے بیٹے کو دودھ پلانے کا اقرار اور اسکی شہرت رضاعت کو ثابت کرتی ہے۔ رضاعت (دودھ پلائی) سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں، جو نسب سے ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہیں ہے۔

سوال سٹیٹ لائف انشورنس حلال ہے یا حرام؟ نیز اس میں نوکری کرنا کیسا ہے؟

جواب فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ بیمہ ایک قسم کا قمار (جوا) ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ تفصیل میں درجِ ذیل وجوہ بیان کرتے ہیں:

۱۔ اس میں جُوا پایا جاتا ہے کہ بیمہ دار مثلاً 50 روپے کی ایک قسط ادا کرنے کے بعد انتقال کرجائے تو اس کے ورثا یا نامزدگان، زرِ بیمہ کی پوری رقم پانے کے مستحق ہوتے ہیں، جو جوئے کی ایک شکل ہے۔

۲۔ اس میں سود پایا جاتا ہے کہ اَقساط کی شکل میں جس قدر رقم ادا کی جاتی ہے، زرِ بیمہ کی شکل میں اس سے زائد کی واپسی ہوتی ہے۔

۳۔ بعض صورتوں میں بیمہ دار کی رقم سوخت ہوجاتی ہے اور بعض میں ادا کی ہوئی رقم سے کم واپس ملتی ہے۔

۴۔ شرعی طور پر ایک معاملے میں دو معاملے کرنا ناجائز ہے۔ اس میں (۱) بیمہ دار کا معاملہ (۲) ورثا یا نامزدگان کا معاملہ کی شکل پائی جاتی ہے، جس کی ممانعت ہے۔

۵۔ قانونِ میراث کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ نامزدگان کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ وارث ہی ہوں، غیر وارث بھی ہوتے ہیں (کفایۃ المفتی وغیرہ)۔ لہٰذا تقویٰ اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس میں شرکت کرنے اور نوکری سے احتراز کیا جائے۔

سوال کیا ایک شخص جو نماز میں قیام اور رکوع تو کرسکتا ہے مگر معذوری کی وجہ سے سجدہ کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے کرتا ہے تو ایسا شخص لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے؟

جواب سجدہ نماز کا سب سے اہم رکن ہے۔ یہ معذور شخص اس کو عملاً ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ ایسا شخص جو اشارے سے نماز پڑھتا ہے، کے حکم میں ہے۔ اشارے سے نماز پڑھنے والا شخص دوسروں کو نماز نہیں پڑھا سکتا۔ (مختصر قدوری)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔